Social Symbolism and the Crisis of Modern Man in the Selected Short Stories of Mazhar-ul-Islam: A Critical Study in the Pakistani Social Context (1960–1980)

مظہر الاسلام کے منتخب افسانوں میں سماجی علامت نگاری اور جدید انسان کا بحران: (1960ء تا 1980ء کے پاکستانی سماجی تناظر میں ایک تنقیدی مطالعہ)

Mutee Ur Rehman*[1]
PhD Scholar, Department of Urdu, University of Peshawer
Dr.Robina Shaheen *[2]
Professor, Department of Urdu, University of Peshawer

1☆**مطیع الرحمان**

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، جامعہ پشاور

2☆**ڈاکٹر روبینہ شاہین**

پروفیسر، شعبہ اُردو، جامعہ پشاور

Correspondance: rubinauni@uop.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 24-04-2026
Accepted:23-06-2026
Online:28-06-2026

Copyright:© 2026 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: This research paper explores social symbolism and the crisis of the modern man in the selected short stories of Mazharul Islam within the socio-historical context of Pakistan from 1960 to 1980. This period in Pakistani history was marked by rapid social change, urbanization, and political instability, which significantly influenced Urdu fiction and modernist writing. The study analyzes how social symbols in the selected stories represent themes such as alienation, identity crisis, fragmentation of relationships, and psychological distress of modern man. Instead of direct narration, the writer uses symbolic and metaphorical techniques to express complex social realities .Using a qualitative textual analysis approach, the research examines the selected stories in relation to their historical and

social background. The study concludes that Mazhar-ul-Islam's fiction reflects the inner and outer crises of modern man, where social symbolism becomes a powerful tool to portray societal instability and human alienation in a changing world.

KEYWORDS:symbolism, Modernism, Alienation, identity crisis, Urdu fiction

اردو افسانے کی روایت میں علامت نگاری نے محض فنی حسن پیدا کرنے کا فریضہ انجام نہیں دیا بلکہ اس نے انسانی تجربات، سماجی تغیرات اور تہذیبی بحرانوں کے اظہار کے لیے بھی ایک مؤثر وسیلے کے طور پر کام کیا ہے۔ بالخصوص بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں جب پاکستانی معاشرہ تیز رفتار سماجی اور ثقافتی تبدیلیوں سے گزر رہا تھا، اردو افسانے نے ان تبدیلیوں کو مختلف فنی اور علامتی پیرایوں میں پیش کیا۔ مظہر الاسلام ان افسانہ نگاروں میں نمایاں ہیں جنھوں نے جدید انسان کی تنہائی، شناختی بحران، معاشرتی بیگانگی اور رشتوں کے انہدام کو علامتی انداز میں بیان کیا۔ ان کے افسانوں میں علامت محض ایک ادبی تکنیک نہیں بلکہ ایک فکری اور سماجی بیانیہ بن کر سامنے آتی ہے۔

زیرِ نظر مقالہ مظہر الاسلام کے منتخب افسانوں میں موجود سماجی علامتوں اور ان کے ذریعے پیش کیے گئے جدید انسان کے بحران کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس ضمن میں1960ء تا1980ء پاکستان کے سماجی حالات، شہری تمدن کے فروغ، خاندانی نظام میں تبدیلی، روایت اور جدیدیت کی کشمکش اور فرد کی بڑھتی ہوئی تنہائی کو بطور پس منظر مد نظر رکھا گیا ہے۔ تحقیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مظہر الاسلام نے سماجی حقیقتوں کو براہِ راست بیان کرنے کے بجائے علامتی اور استعاراتی نظام کے ذریعے ایک ایسی فکری دنیا تشکیل دی ہے جس میں جدید انسان کے وجودی اور سماجی مسائل پوری شدت کے ساتھ نمایاں ہوتے ہیں۔

ادب اور معاشرہ ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی بھی ادبی تخلیق اپنے عہد کے سیاسی، سماجی، ثقافتی اور فکری حالات سے مکمل طور پر الگ نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ ادیب اپنے تخلیقی عمل میں براہِ راست تاریخ نویس یا سماجیات دان کا کردار ادا نہیں کرتا، تاہم اس کی تخلیقات اپنے زمانے کے اجتماعی شعور، انسانی رویوں اور معاشرتی تبدیلیوں کی عکاسی ضرور کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادب کو کسی بھی معاشرے کی فکری اور تہذیبی تاریخ کا اہم ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔

اردو افسانے نے اپنے ارتقائی سفر کے دوران مختلف فکری اور فنی رجحانات کو قبول کیا۔ ابتدائی حقیقت نگاری سے لے کر جدیدیت اور مابعد جدیدیت تک افسانہ مسلسل تبدیلی کے عمل سے گزرتا رہا۔ ساٹھ اور ستر کی دہائی میں جب اردو ادب پر

جدیدیت کے اثرات نمایاں ہوئے تو افسانے میں علامت، استعارہ، تجرید اور داخلی تجربے کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی۔ اس دور کے افسانہ نگاروں نے خارجی واقعات کے بجائے انسانی شعور، تنہائی، بے معنویت اور شناختی بحران کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ مظہر الاسلام کا شمار ان افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے جدید افسانے کے اس رجحان کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اسے ایک منفرد فنی جہت بھی عطا کی۔ ان کے افسانوں میں سماجی حقیقتیں براہِ راست بیان نہیں ہوتیں بلکہ علامتی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہی علامتی اظہار ان کے افسانوں کو محض کہانی کے دائرے سے نکال کر ایک وسیع فکری اور سماجی تناظر عطا کرتا ہے۔

مظہر الاسلام کے افسانوں کا مطالعہ کرتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ ان کا بنیادی سروکار انسان ہے؛ ایسا انسان جو اپنے ماحول، سماج، اقدار اور رشتوں کے درمیان مسلسل بے یقینی اور اضطراب کا شکار ہے۔ یہ اضطراب صرف نفسیاتی نوعیت کا نہیں بلکہ اس کے پس منظر میں پورا سماجی نظام کارفرما نظر آتا ہے۔ ان کے افسانوں میں شہر، گھر، راستہ، دروازہ، کھڑکی، تنہائی، خاموشی اور سفر جیسی علامتیں دراصل جدید معاشرے کی پیچیدگیوں اور انسانی بحران کی مختلف صورتوں کو نمایاں کرتی ہیں۔

بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں پاکستانی معاشرہ گہری تبدیلیوں سے گزرا۔ صنعتی ترقی، شہری آبادی میں اضافہ، دیہی آبادی کی ہجرت، خاندانی نظام میں تبدیلی اور سماجی اقدار کے بحران نے فرد کی زندگی کو شدید متاثر کیا۔ اس صورت حال نے ادیبوں کو بھی متاثر کیا اور انہوں نے مختلف فنی وسائل کے ذریعے ان مسائل کو بیان کرنے کی کوشش کی۔ مظہر الاسلام کے افسانوں میں ان تبدیلیوں کی جھلک نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے، تاہم یہ اظہار براہِ راست بیانیے کے بجائے علامتی پیرائے میں سامنے آتا ہے۔ چنانچہ بنیادی سوال یہ ہے کہ مظہر الاسلام نے اپنے منتخب افسانوں میں کن سماجی علامتوں کے ذریعے جدید انسان کے بحران کو پیش کیا اور یہ علامتیں 1960ء تا 1980ء کے پاکستانی سماجی حالات سے کس طرح مربوط ہیں۔

ادب میں علامت ایک ایسا فنی وسیلہ ہے جو اپنے ظاہری مفہوم سے آگے بڑھ کر کسی وسیع تر معنوی دائرے کی نمائندگی کرتا ہے۔ علامت کا تعلق صرف زبان سے نہیں بلکہ انسانی شعور، تہذیب اور اجتماعی تجربے سے بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے ایک کامیاب علامت بیک وقت کئی سطحوں پر معنی پیدا کرتی ہے۔

> "یہ بھی حقیقت ہے کہ علامت صرف فن کار کی ذاتی چیز نہیں ہوتی بلکہ
> پورے معاشرے کی میراث ہوتی ہے اس لحاظ سے شعور اور لاشعور کی حد
> فاضل یہاں بے معنی ہے۔ علامت دراصل فن کار اور قاری کی باہمی تخلیق
> ہوتی ہے اور وجوہات کے علاوہ اس چیز کے باعث بھی علامت میں تخلیقی

ابہام اور اظہار کی غیر قطعیت پیدا ہو جاتی ہے جو علامتی نظام میں وسعت اور ہمہ سمتی حرکت کو جنم دیتی ہے کوئی تجربہ جب فن کار کے ہاں سے جسم حاصل کر کے قاری کے ہاتھوں پہنچ جاتا ہے تو قاری بھی ایک الٹے تخلیقی عمل میں مبتلا ہو کر فن کار اور تجربے کے رشتے کی باز آفرینی کرتا ہے اور اس طرح قاری اور تجربے کے درمیان بھی ایک علامتی رشتہ پیدا ہو جاتا ہے۔"(۱)

سماجی علامت دراصل ایسی علامت ہوتی ہے جو معاشرتی زندگی، انسانی تعلقات، طبقاتی ڈھانچوں، ثقافتی رویوں اور اجتماعی تجربات کی نمائندگی کرے۔ یہ علامت کسی فرد کے ذاتی تجربے سے جنم لے سکتی ہے لیکن اس کے معنی پورے معاشرے تک پھیل جاتے ہیں۔ مظہر الاسلام کے افسانوں میں علامتیں زیادہ تر سماجی نوعیت کی ہیں۔ ان کا تعلق فرد کی داخلی کیفیت سے ضرور ہے لیکن ان کی جڑیں سماجی حقیقتوں میں پیوست نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں ذاتی تجربہ اجتماعی معنویت اختیار کر لیتا ہے۔ ادبی جدیدیت بنیادی طور پر اس احساس سے جنم لیتی ہے کہ روایتی اقدار اور قدیم یقین اب انسان کی زندگی کو معنی فراہم کرنے سے قاصر ہو چکے ہیں۔ صنعتی ترقی، شہری تمدن، سائنسی فکر اور تیز رفتار سماجی تبدیلیوں نے انسان کو ایک نئے ذہنی اور نفسیاتی بحران سے دوچار کر دیا۔ جدید انسان بظاہر ترقی یافتہ دنیا میں رہتا ہے مگر اندر سے تنہائی، عدم تحفظ اور بے معنویت کا شکار ہوتا ہے۔ اس کے رشتے کمزور پڑ جاتے ہیں، شناخت غیر یقینی ہو جاتی ہے اور سماج کے ساتھ اس کا تعلق پیچیدہ صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جدید اردو افسانے میں یہی بحران مختلف علامتی صورتوں میں سامنے آتا ہے۔

"شناختی بحران وہ کیفیت ہے جس میں فرد اپنی ذات، اقدار اور زندگی کی سمت کے بارے میں شدید ابہام اور غیر یقینی کا شکار ہو جاتا ہے یہ محض ایک نفسیاتی مسئلہ نہیں بلکہ ایک گہرا وجودی اور سماجی بحران ہے جو انسان کو اپنی اصل ہستی سے منقطع کر دیتا ہے اس بحران کی جڑ اس وقت مضبوط ہوتی ہے جب فرد اپنے داخلی تقاضوں اور سماجی توقعات کے درمیان توازن قائم کرنے میں ناکام ہوتا ہے"(۲)

مظہر الاسلام کے افسانے بھی اسی بحران کی فنی تعبیر ہیں۔ ان کے کردار اکثر ایسے ماحول میں زندہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں جہاں انسان اور انسان کے درمیان فاصلے بڑھ چکے ہیں اور زندگی اپنی سابقہ معنویت کھو بیٹھی ہے۔ پاکستان کی سماجی تاریخ میں 1960ء سے 1980ء تک کا عرصہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ دور سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ گہرے

سماجی اور ثقافتی تغیرات کا بھی زمانہ تھا۔ صنعتی ترقی، شہری آبادی میں اضافہ، دیہی علاقوں سے شہروں کی طرف ہجرت، متوسط طبقے کے پھیلاؤ اور جدید تعلیم کے فروغ نے پاکستانی معاشرے کی ساخت اور رویوں کو نمایاں طور پر متاثر کیا۔ ان تبدیلیوں کے نتیجے میں ایک ایسا سماجی ماحول تشکیل پایا جس میں روایت اور جدیدیت کے درمیان کشمکش مسلسل شدت اختیار کرتی گئی۔

80ء کی دہائی میں صنعتی ترقی اور معاشی منصوبہ بندی کے باعث شہری مراکز کی اہمیت میں اضافہ ہوا۔ روزگار، تعلیم اور بہتر معاشی مواقع کی تلاش میں بڑی تعداد میں لوگ دیہات سے شہروں کا رخ کرنے لگے۔ اس نقل مکانی نے نہ صرف شہری آبادی میں اضافہ کیا بلکہ روایتی سماجی رشتوں اور خاندانی نظام کو بھی متاثر کیا۔ دیہی زندگی میں موجود اجتماعی شعور اور باہمی وابستگی کی جگہ شہری زندگی کی مصروفیت، انفرادیت اور اجنبیت نے لینا شروع کر دی۔

اس دور میں متوسط طبقہ بھی ایک مؤثر سماجی قوت کے طور پر ابھرا۔ تعلیم یافتہ طبقے کی تعداد میں اضافہ ہوا اور نئی سماجی امنگیں جنم لینے لگیں۔ تاہم معاشی ترقی کے ثمرات معاشرے کے تمام طبقات تک یکساں طور پر نہ پہنچ سکے جس کے باعث طبقاتی تفاوت میں بھی اضافہ ہوا۔ ایک طرف ترقی اور خوش حالی کے مظاہر موجود تھے جبکہ دوسری طرف غربت، محرومی اور احساسِ بے یقینی بھی معاشرتی زندگی کا حصہ بن گئے۔ یہی تضادات بعد ازاں ادبی تخلیقات میں مختلف علامتی صورتوں میں ظاہر ہوئے۔

۱۹۷۰ء کی دہائی میں سیاسی اور سماجی بحرانوں نے معاشرتی بے چینی میں مزید اضافہ کیا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی نے قومی شناخت اور اجتماعی شعور کو گہرے صدمے سے دوچار کیا۔ اس سانحے کے اثرات صرف سیاسی میدان تک محدود نہ رہے بلکہ انہوں نے سماجی نفسیات اور فکری رویوں کو بھی متاثر کیا۔ لوگوں کے اندر عدم تحفظ، بے اعتمادی اور مستقبل کے حوالے سے تشویش کے احساسات بڑھنے لگے۔ اسی عرصے میں جدید تعلیم، ذرائع ابلاغ اور مغربی افکار کے اثرات بھی پاکستانی معاشرے میں نمایاں ہوئے۔ نوجوان نسل ایک طرف روایتی اقدار سے وابستہ تھی جبکہ دوسری طرف جدید طرزِ فکر اور زندگی سے متاثر ہو رہی تھی۔ اس صورتِ حال نے تہذیبی اور ثقافتی سطح پر ایک کشمکش کو جنم دیا جس کے نتیجے میں شناخت کا بحران شدت اختیار کرتا گیا۔ فرد اپنے ماضی اور حال کے درمیان معلق دکھائی دینے لگا۔ خاندانی نظام بھی اس دور میں تبدیلی کے عمل سے گزرا۔ مشترکہ خاندان کی جگہ بتدریج محدود یا جوہری خاندان نے لینا شروع کی۔ معاشی اور سماجی دباؤ کے باعث رشتوں کی نوعیت میں تبدیلی آئی اور انسانی تعلقات میں وہ قربت کم ہونے لگی جو روایتی معاشرے کی بنیادی خصوصیت سمجھی جاتی تھی۔ نتیجتاً فرد کے اندر تنہائی، اجنبیت اور عدم وابستگی کے احساسات پیدا ہوئے جو جدید ادب کا ایک اہم موضوع بن گئے۔

۱۹۷۷ء کے بعد کے حالات نے معاشرے میں ایک نئی فکری اور سماجی فضا پیدا کی۔ ریاستی سطح پر اقدار، ثقافت اور سماجی رویوں کے بارے میں مخصوص تصورات کو فروغ دیا گیا جس کے اثرات معاشرتی زندگی پر بھی مرتب ہوئے۔ اس دور میں فرد اور سماج کے تعلقات مزید پیچیدہ ہوئے اور اظہارِ ذات کے مختلف مسائل سامنے آئے۔ یہی وہ فضا تھی جس میں جدید اردو افسانہ انسانی وجود، شناخت، تنہائی اور سماجی بحران جیسے موضوعات کی طرف متوجہ ہوا۔

مجموعی طور پر ۱۹۶۰ء تا ۱۹۸۰ء کا پاکستانی معاشرہ تبدیلی، عدم استحکام، تہذیبی کشمکش اور سماجی انتقال کے مرحلے سے گزر رہا تھا۔ یہ دور ایک ایسے انسان کو جنم دیتا ہے جو بظاہر ترقی یافتہ سماجی ڈھانچے کا حصہ ہے مگر باطن میں تنہائی، اجنبیت، بے معنویت اور شناختی بحران کا شکار ہے۔ مظہر الاسلام کے افسانے اسی جدید انسان کی نفسیاتی اور سماجی کیفیت کو علامتی انداز میں پیش کرتے ہیں۔

> "مظہر الاسلام کے زیادہ تر کرداروں نے تنہائی کو اپنا لباس بنا لیا ہے وہ کسی سبب سے ہی تنہا زندگی گزارنے پر مجبور ہیں کچھ کردار اس لئے تنہا ہیں کہ انہوں نے بے وفائی کا غم جھیلا ہے اور انہوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ تنہائی کے سہارے ہی اس غم کا ازالہ کریں گے یا اسے مزید گہرا رنگ دیں گے کچھ کرداروں نے معاشرے میں پھیلی بدامنی سے عاجز آکر اسی میں خوش ہیں ۔ایسے لوگ خوبصورت موت کی بھی خواہش رکھتے ہیں۔"(۳)

مظہر الاسلام افسانہ لکھتے ہوئے کسی کی پیروی نہیں کی بلکہ موضوع اور اسلوب اپنے لئے خود تراشا۔ پرانی اور روایتی روش کو ترک کرتے ہوئے منفرد انداز میں انسان کے باطنی کرب، ذہنی الجھن اور تنہائی کو علامتی انداز میں بیان کیا۔ افسانہ متروک آدمی میں انہوں نے ایک ایسے انسان کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو بھیڑ میں بھی اکیلا ہے وہ معاشرے اور معاشرتی زندگی سے بیزار ہے۔ وہ حد درجے کا خود غرض اور احساس سود زیاں سے محروم انتہائی ڈھیٹ انسان ہے ۔ اسے اپنے ارد گرد کے ماحول سے کوئی غرض نہیں یہ شخص ویگن میں سوار ہے اسے اگر کسی چیز کی فکر ہے وہ ہے اس کی ایک گھڑی جو ویگن کے اوپر رکھی گئی ہے مظہر الاسلام اس گھڑی کو انسانی اقدار کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے اس گھڑی کو وہ ویگن کے اوپر رکھ کر کسی نامعلوم جہگے پ کی طرف لے کے جا رہا ہے اس افسانے کے حوالے سے پروفیسر فتح ملک " گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی۔" کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

> "متروک آدمی میں ایک ایسے معاشرے کی تصویر پیش کی گئی ہے جہاں فرد اجتماع سے کٹ کر صرف ذات کی سطح پر زندگی گزار رہا ہے وہ حال مست ہے، جنس و جسمانیت اور حیوانی لذتیں اس کی کل کائنات ہیں۔ وہ ماضی کی

تابندگی سے بے نصیب ہے اور مستقبل کے کسی تصور سے بھی محروم ہے۔
اس کی متاع حیات لٹ رہی ہے مگر سے احساس زیاں تک نہیں۔"(۴)

مظہر الاسلام اپنی کہانیوں میں پسے ہوئے طبقات کی ترجمانی کی ہے ان کی کہانیوں کے کردار عام انسان ہیں ان میں خاکروب ،کلرک ،مزدور ،چپڑاسی اور مالی شامل ہیں۔ انہوں نے اس پسے ہوئے طبقے کی ترجمانی کرتے ہوئے کوشش کرتے ہیں کہ زبان اور اسلوب بھی ان کی مزاج کے مطابق ہو افسانہ سانپ گھر میں ایک کلرک کی کہانی پیش کی ہے جس میں وہ کلرک روز اس وجہ سے دفتر لیٹ آتا ہے کیونکہ اسے لگتا ہے کہ اس کے گھر میں سانپ ہے جو ہر وقت اس کا پیچھا کرتا ہے وہ ہر کسی کو بتانے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کی بات پہ کوئی بھی یقین نہیں کرتا سب اس کا مذاق اڑاتے ہیں وہ جوگیوں کے دروازے بھی کھٹکٹاتا ہے لیکن ان کی طرف سے بھی کوئی خاطر خواہ تسلی نہیں ملتی۔ آخر کار بزرگ کی تلاش میں نکلتا ہے جو سانپوں سے نبرد آزما ہونے کا ہنر جانتا ہے۔

"میں آپ کو ایک مدت سے تلاش کر رہا ہوں شکر ہے آج مل گئے میرے گھر میں سانپ ہے کچھ کریں۔ جلدی کریں میں تنگ آگیا ہوں وہ ایک سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔ بزرگ نے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ پگلے میں کیا کروں میرے تو اپنے گھر میں سانپ ہے۔۔"(۵)

افسانہ سانپ گھر جو نام ہی سے علامتی ہے سانپ خوف،ڈر،وحشت اور ویرانی کی علامت ہے جبکہ گھر کو بطور معاشرہ پیش کیا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں سب کی آستینوں میں سانپ ہیں۔انسانوں کے ہوتے ہوئے بھی پورا معاشرہ سنسان ہے جہاں ابن آدم کو تسلی دینے والا کوئی نہیں انسان کی اور اس کے دکھ کی کوئی حیثیت نہیں انسان پر جب آفتیں ٹوٹتی ہیں تو اس کا سننے اور سر پر دست شفقت رکھنے والا کوئی نہیں جبکہ تکلیف پر مذاق اڑانے والے ہزاروں ہیں۔افسانے میں جوگیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپکی تکلیف کے وقت بین بجا کر سانپوں کو بھگانے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن سانپوں کو گھر سے نہ نکلنے زرا برابر بھی ان پر فرق نہیں پڑتا۔ یہ افسانہ مجموعی طور پر ایک ایسے انسان کی کہانی ہے جو گھر کی مصیبتوں سے تنگ آکر واویلا کر رہا ہے لیکن ان کو سننے والا کوئی نہیں۔ پورے معاشرے کو سانپ سونگھ گیا ہے یہاں تک کہ وہ بزرگ جو امیدوں کے مرکز کا آخری استعارہ ہے وہ بھی ہاتھ کھڑا کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کیا کروں میرے تو اپنے گھر میں سانپ ہیں۔ اس افسانے میں خوف، محرومی ،انتشار ،دھوکہ ،فریب،چال بازی، دغا بازی ،مایوسی، لاچاری اور بے بسی کو علامتی انداز میں جس چابکدستی اور فنکاری کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جس کی نظیر افسانوی ادب میں بہت کم ملتی ہیں۔ افسانہ سانپ گھر کے متعلق صفیہ عباد لکھتی ہیں

"یہاں مصنف نے ایک نئے انداز سے سماج کے دکھ کو محسوس کیا اور خوشامد و چاپلوسی کی اس معاشرے میں رہنا قبول نہیں۔ سماج اور سیاسی جبر کی فضا کی کیفیت کو انہوں نے مختلف حوالوں اور نئی علامتوں سے جھگہ جھگہ اپنی کہانیوں میں اجاگر کیا ہے۔ کہانی سانپ بھرپوری سماج کا اس حوالے سے ایک آئنہ ہے یہ پورا سماج اندر اور باہر سے سانپوں کی زد میں ہے"(۶)

افسانہ اناللہ وانا الیہ راجعون میں معاشرے کے اس فرد کی عکاسی ملتی ہے جہاں ایک شخص بولنا چاہتا ہے لیکن اس کی زبان پہ قدغن لگائی جاتی ہے وہ اپنی آواز کو ڈھونڈتے ہوئے اپنے ارد گرد کی چھان مار تا رہتا ہے اور وہ انتہائی تکلیف کی حالت میں حاکم کے پاس پہنچتا ہے تو وہ اسے کہتا ہے۔

"تمہاری آواز نہ تو گم ہوگئی ہے اور نہ ہی کسی نے اسے چوری کیا ہے واقعہ یہ ہے کہ تمہاری آواز مر گئی ہے"(۷)

اس افسانے میں آواز کا چوری ہونا اس سیاسی اور سماجی جبر کی علامت ہے جہاں انسان بولنا چاہتا ہے لیکن وقت کے فرعوں اس کو بولنے کی نعمت سے بھی محروم رکھتے ہیں مظہر الاسلام لکھتے ہیں

"میری زبان ہونٹوں کی لگام کھینچتی ہے۔ ہونٹ اتھرے گھوڑوں کی مانند پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر لفظ ہنہناتے ہیں لیکن آواز نہیں آتی۔"(۸)

زبان ہونٹوں کی لگام کھیچنا برداشت کی علامت، گھوڑوں کی مانند پچھلے ٹانگوں پر کھڑے ہونا اضطراب، شدت اور بے قراری کی علامت، لفظ ہنہنانا شدت اظہار کی علامت جبکہ آواز کا نہ آنا آواز کو دبانے کی علامت کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ یہ پورا پیراگراف اس بدبودار معاشرے کا عکس ہے جہاں حضرت انسان لب کھولنے کی جرت بھی نہیں کرپاتا۔ افسانہ دھوپ کی منڈیر میں مظہر الاسلام نے معاشرے میں اس طبقاتی کشمکش کو علامتی زبان میں بیاں کیا ہے جہاں ایک گورکن کئی سالوں سے ایک ہی قبرستاں کے خاک چھانتا ہے اور اپنے مخصوص کدال سے کئی جسموں کو زیرزمین اتارتا ہے۔ پشتوں سے گورکنی کرنے والے اس گورکن کو اس قبرستان میں دفنانے کے لئے دو گز زمین بھی نہیں ملتیں۔

"اپنے باپ اور دادا کی طرح وہ بھی اسی قبرستان میں پیدا ہوا اور اب یہیں قبر کے لئے جگہ تلاش کر رہا تھا مگر اپنی قبر کے لئے جو جگہ وہ پسند کرتا وہی جگہ ہر مرنے والے کے عزیزوں کو پسند آجاتی اور عہ اچھے گورکن کی طرح جگہ

ان کے حوالے کر دیتا۔ آج بھی جس جگہ وہ قبر کھود کر آ رہا ہے اس نے خود
اپنے لئے منتخب کی تھی۔"(۹)

یہاں انہوں نے اس علامتی انداز میں اس حقیقت کا بھی پردہ چاک کرنے کی کوشش کی ہے جہاں ایک مزدور عمر بھر دوسروں کے لئے گھر بناتا رہتا ہے لیکن خود کی جھونپڑی بھی تعمیر نہیں ہو پاتی اشرافیہ محنت کش طبقے کا دست بازو بننے کے بجائے دو وقت کی روٹی چھیننے پر تلا ہوا ہے۔

بلائینڈ پرزم تجریدی کہانی ہے جس میں ایک کلرک کو کردار بنا کر معاشرے کے اس بھیانک چہرے کا پردہ فاش کیا ہے جہاں ہر طرف دھوکہ ہی دھوکہ، قول و فعل میں تضاد، تصادم، رشوت خوری اور بے اعتباری ہے انسان حضرت انسان سے خوف زدہ ہے۔ جہاں ہر طرف رشوت کا بازار گرم ہے کلرک سے لے کر اعلی آفیسر تک سب اپنی تجوریاں بھرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس افسانے کے حوالے سے ڈاکٹر صفیہ عباد لکھتی ہیں:

"کہانی بلائینڈ پرزم میں سماج کے بھیانک چہرے کا ایک اور رنگ ہے۔ بے پناہ مناظر۔ اذیت ناک ماحول کی تصویر کشی۔ یہ ہمارے سماج کا ناسور ہے، جو اندر ہی اندر پک رہا ہے۔ ہماری حواس خمسہ پر گہری نیند طاری ہے۔"(۱۰)

اس افسانے میں ڈاکٹروں کی مجرمانہ غفلت کو قتل سے تشبیہ دی گئی ہے اس میں ڈاکٹر سے ایک شخص مخاطب ہے اور بار بار اصرار کرتا ہے کہ یہ مرا نہیں ہے بلکہ اس کا قتل ہوا ہے۔

"دور ہسپتال کے ایک کمپاونڈ مین ایک شخص ڈاکٹر سے ہم کلام ہے ڈاکٹر یہ مرا نہیں ہے بلکہ اسے قتل کر دیا گیا ہے وہ شخص دونوں ہاتھ جھٹک کر کہتا ہے۔ تم مانتے کیوں نہیں ہو یہ خود بخود مر گیا ہے ڈاکٹر اپنے کوٹ کے بٹن گھماتے ہوئے کہتا ہے"(۱۱)

ڈاکٹر کو انسان کی جان بچانے کا واحد سہارا سمجھا جاتا ہے لیکن ان کو اس بات کا ذرا برابر بھی دکھ نہیں کہ اس کی غفلت کی وجہ سے ایک انسان زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے لیکن اسے زرا برابر بھی احساس نہیں ہوتا اور وہ اس م کی وت کو طبعی موت گردانتا ہے۔ افسانے میں کلرک، چپڑاسی، نرس اور ڈاکٹر کی اجتماعی بے حسی کو علامتی انداز میں نہایت مربوط انداز میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ افسانے میں رشوت کو کیڑے سے جبکہ نرم دل لوگوں کے لئے پھول کی علامت استعمال کی ہے

اچانک نزدیک کھڑا ہوا شخص کاغذ میں لپٹے ہوئے بہت سے کیڑے میری میز پر الٹ دیتا ہے اور کہتا ہے مجھے چارج لینا ہے۔ اس سیٹ پر میری اپوائنمٹ ہو گئی ہے۔ افسانہ گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی میں انتہائی پیچیدہ اور دقیق علامات استعمال ہوئے ہیں ایک مست و سرکش گھوڑا جو شہر، بازار یہاں تک کہ مسجد کی تقدس کو بھی روندتا ہوا گزرتا ہے تمام شہر کے لوگ پریشان ہیں ہر شخص اس گھوڑے پر بندوق تانے کھڑا ہے اس پر مسلسل گولیاں برس رہی ہیں لیکن یہ گھوڑا رکنے کا نام نہیں لے رہا اور مزید تباہی پھیر کر آگے کی طرف نکل جاتا ہے۔

"سارے شہر کی عجیب حالت تھی گھوڑے نے شہر کا نقشہ بدل کہ رکھ دیا تھا
"(۱۲)

اس افسانے کے موضوع کو گہرائی سے دیکھا جائے تو مظہر الاسلام نے گھوڑے کو شہر کا اکیلا آدمی کہا ہے اس افسانے میں ایسے معاشرے کی تصویر پیش کی گئی ہے جہاں انسانوں میں گھوڑوں کی صفات جبکہ گھوڑوں میں انسانوں کی صفات پائی جاتی ہیں۔ انسانوں میں انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں جبکہ گھوڑا اپنی صفات سے عاری ہے۔ یہاں گھوڑا اجتماعی بے حسی کے لئے بطور علامت استعمال ہوا ہے۔ پورا شہر سنگدل اور بے حس ہے۔ کوئی کسی پر ترس نہیں کھاتا یہاں تک کہ عبادت خانے کے اندر بھی بے زبان جانور کو پیٹا جارہا ہے۔ ہر کوئی اپنی مرضی کا مالک ہے اپنی بساط اور اوقات کے مطابق دوسروں کو نقصان پہنچارہا ہے۔ گھوڑا چونکہ طاقت کی علامت ہے اور اپنی بساط کے مطابق لوگوں اور سامنے آنے والی تمام چیزوں کو روندتا ہوا چلا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح معاشرے کا بااثر طبقہ غریب کے ساتھ یہی سلوک کرتا آرہا ہے۔ افسانہ چوری چوری میں سماجی بحران کو علامتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ افسانے میں شرفا اور باثر طبقہ چوری چکاری اور مکر و فریب میں مبتلا ہیں خود چوری کر کے شور بھی مچا رہے ہیں اور مختلف مجالس کا انعقاد کر کے چور کو پکڑنے کی تدبیریں بھی بتا رہے ہیں لوگوں کی زندگی چوری چکاری سے اجیرن ہے تمام بے گناہ نوکروں کو قید میں ڈالا گیا ہے اور اپنے بندوں کو علاقے کی چوکیداری میں لگا کر شرفا خود چوری میں مگن ہیں ایسے میں رات کو چور چور کی صدا بلند ہوتی ہے

"اس دوران ایک دن پھر شور اٹھا چور چور اور پھر ساتھ ہی یہ آوازیں بھی
آنے لگیں پکڑ لیا پکڑ لیا۔۔۔۔لوگ ڈنڈے اٹھائے بھاگے بھاگے آئے تو
انہوں نے دیکھا کہ خان صاحب نے چودھری صاحب کا، چودھری صاحب
نے میاں صاحب کا، میاں صاحب نے شاہ صاحب کا اور باقی سب نے ایک
دوسرے کا گریباں پکڑ رکھا تھا اور شور مچا رہے تھے چور چور پکڑ لیا۔ پکڑ لیا
چور پکڑ لیا۔"(۱۳)

قصہ مختصر نورے اور شیدے کی وہ نامکمل کہانی ہے جہاں کئی روز کی تکلیف مشقت کے بعد ان کے ہاتھ سو روپے کا نوٹ آتا ہے وہ اس نوٹ کو چینج کرنے کی غرض سے پورے بازار کی خاک چھانتے ہیں لیکن ان کو کوئی بھی چینج نہیں دیتا آخر کار بازار کے وسط میں ایک صوفی کی دکان کی طرف اس امید سے بڑھتے ہیں کہ شاید یہ نیک بندہ ہمیں چینج دے۔ لیکن ان کی توقعات کے بر عکس ان کو چینج دینے کے بجائے سو کا نوٹ ان سے لے کر منکر ہو جاتے ہیں۔ پولیس آکر اس دکاندار کو ملامت کرنے کے بجائے ان غریبوں پر ڈنڈے برساتی ہے۔

> "پولیس والے نے غور سے شیدے اور نورے کے کلر زدہ چہروں اور میلے کھیسوں کی طرف دیکھا اور شیدے کی کمر پر ڈنڈا جماتے ہوئے بولا۔ چل اوئے الو کے پٹھے شکل دیکھی ہے اپنی ۔۔۔ تمہارے پاس کہاں سے آیا سو روپے کا نوٹ "[۱۴]

مظہر الاسلام ان دو کرداروں کے زریعے معاشرے میں پنپنے والی بے انصافی، لا قانونیت، فراڈ اور بھتہ خوری جیسے مکروہ افعال کی نشاندہی کی ہے اس افسانے میں مزدور غربت اور بے چارگی کی علامت، پولیس نا انصافی کی علامت جبکہ دکانداروں کے گلے جاگیر داروں اور سرمایہ داروں کی وہ تجوریاں ہے جو مزدور کے خون، پیاس بھوک اور پسینے سے بھرتی ہے۔ مزدور شام تک کی محنت و مشقت کے بعد بھی خالی ہاتھ گھر لوٹتا ہے۔

مظہر الاسلام کے منتخب افسانوں کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کی افسانہ نگاری اپنے عہد کے سماجی مسائل اور انسانی رویّوں کی گہری عکاسی کرتی ہے۔ انہوں نے معاشرتی ناانصافی، استحصال، اخلاقی زوال، طاقت کے ناجائز استعمال اور عام انسان کی بے بسی کو علامتی پیرائے میں پیش کیا ہے۔ افسانہ "قصہ مختصر" میں دو محنت کش مزدوروں کی داستان کے ذریعے محنت کش طبقے کے استحصال اور سماجی ناانصافی کو نمایاں کیا گیا ہے، جہاں ان کی کئی دنوں کی کمائی دھوکے اور فریب کی نذر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح "چوری چوری" میں چوری کو محض ایک فرد کے عمل کے طور پر نہیں بلکہ پورے معاشرے میں پھیلی ہوئی اخلاقی بدعنوانی اور بااثر طبقات کی موقع پرستی کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان افسانوں سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف کی توجہ سماجی ڈھانچے میں موجود ان خرابیوں پر ہے جو کمزور اور محنت کش طبقے کو مسلسل نقصان پہنچاتی ہیں۔

اسی طرح "گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی" میں گھوڑا ایک ایسی طاقت کی علامت بن جاتا ہے جو پورے شہر کو نقصان پہنچاتے ہوئے بھی جواب دہی سے بچ نکلتی ہے۔ یہ علامت معاشرے میں موجود ان قوتوں کی نمائندگی کرتی ہے جو اختیار اور طاقت کے بل پر عام لوگوں کے حقوق پامال کرتی ہیں۔ مجموعی طور پر مظہر الاسلام کے افسانے1960ء تا1980ء کے پاکستانی سماج میں پیدا ہونے والی بے چینی، طبقاتی تفاوت، استحصالی رویوں، انسانی تنہائی اور سماجی بحرانوں کی بھرپور ترجمانی

کرتے ہیں۔ ان کی علامت نگاری محض فنی حسن پیدا نہیں کرتی بلکہ قاری کو معاشرتی حقائق اور انسانی مسائل پر غور و فکر کی دعوت بھی دیتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مجید مضمر، ڈاکٹر اردو کا علامتی افسانہ، دہلی: نیو لیتھو آرٹس پریس دہلی، ۱۹۹۰، ص:۲۴

۲۔ فریدہ عثمان، ڈاکٹر، مظہر الاسلام کے افسانوں میں فرد کی گمشدگی، ریسرچ آرٹیکل الآثار جزل، ص:۴۶

۳۔ محمد غالب نشتر، مظہر الاسلام کا فکشن، دہلی: براون پبلی کیشنز نئ دہلی، ۱۹۹۰، ص:۱۰۹

۴۔ پروفیسر فتح ملک ، مظہر الاسلام کی افسانہ نگاری ، گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ص:۲۷۳

۵۔ مظہر الاسلام، گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶، ص:۴۳

۶۔ صفیہ عباد، ڈاکٹر، کہانی مظہر الاسلام ہے، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹۔ ص:۱۴۱

۷۔ مظہر الاسلام، گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶، ص:۷۰

۸۔ ایضا، اناللہ وانا الیہ راجعون، ص:۷۱

۹۔ ایضا، دھوپ کی منڈیر، ص:۲۵

۱۰۔ صفیہ عباد، ڈاکٹر، کہانی مظہر الاسلام ہے، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹۔ ص:۵۸

۱۱۔ مظہر الاسلام، گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶، ص:۱۱۲

۱۲۔ ایضا، گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی، ص:۱۳۸

۱۳۔ ایضا، چوری چوری، ص:۱۵۶

۱۴۔ ایضا، قصہ مختصر، ص:۲۲

References:

1. Majeed Muzmar, Dr., Urdu Ka Alamaati Afsana, Delhi: New Litho Arts Press Delhi, 1990, p. 24.
2. Farida Usman, Dr., "Mazhar-ul-Islam Ke Afsanon Mein Fard Ki Gumshudgi", Research Article, Al-Aasaar Journal, p. 46.
3. Muhammad Ghalib Nishtar, Mazhar-ul-Islam Ka Fiction, Delhi: Brown Publications New Delhi, 1990, p. 109.
4. Fateh Malik, Professor, "Mazhar-ul-Islam Ki Afsana Nigari", in Ghoron Ke Sheher Mein Akela Aadmi, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2006, p. 273.
5. Mazhar-ul-Islam, Ghoron Ke Sheher Mein Akela Aadmi, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2006, p. 43.
6. Safia Ibad, Dr., Kahani Mazhar-ul-Islam Hai, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2009, p. 141.

7. Mazhar-ul-Islam, Ghoron Ke Sheher Mein Akela Aadmi, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2006, p. 70.
8. Ibid, "Inna Lillahi Wa Inna Ilayhi Raji'oon", p. 71.
9. Ibid, "Dhoop Ki Mundeer", p. 25.
10. Safia Ibad, Dr., Kahani Mazhar-ul-Islam Hai, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2009, p. 58.
11. Mazhar-ul-Islam, Ghoron Ke Sheher Mein Akela Aadmi, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2006, p. 112.
12. Ibid, "Ghoron Ke Sheher Mein Akela Aadmi", p. 138.
13. Ibid, "Chori Chori", p. 156.
14. Ibid, "Qissa Mukhtasar", p. 22.